ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اشفاق احمد کے افسانوی مجموعہ ''پھلکاری'' میں پنجابی ثقافت کی عکاسی

محسن نواز بسراء، پی ایچ ڈی اسکالر (اردو) جی سی یونیورسٹی، لاہور
اسرار احمد، لیکچرار، شعبہ اردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور (بہاولنگر کیمپس)
ڈاکٹر آمنہ رفیق، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، دی یونیورسٹی آف لاہور

Abstract:

Culture is a set of human behavior and related issues which are built up by the geographical conditions, environment and generational experiences and ideas of a group or society. Culture is the product of collective attitudes and collective thoughts, which time and circumstances continue to flow along with. Geographical and natural factors, calamities like storms, rains and floods also play a role in shaping and sustaining it. Cultures like Harappa and Mohenjodur also suffered similar disasters after their rise. Culture is an expression of the intellectual and material manifestations of a human group found in a region or region. Intellectual matters influence the inner and outer, teach the art of living and maintaining relationships; they shape the entire affairs of festivals, fairs, and occasions of life and death. In the same way, internal and external, that is, thought and the patterns of conducting affairs based on it, which a group forms, the patterns which are called traditions or customs, also teach it to the coming generations for their defense and protection. As if society is a whole and a collective process in which individuals follow a fixed course of action. This approach works on both internal and external levels equally and at the same time. Culture is influenced by many factors that bend and break it along with them. Time and circumstances, disasters, calamities and ideological factors ie politics and social movements all arrange the formation and order of culture. Culture continues to change and evolve due to these factors. The image of Punjab found in Ashfaq Ahmed's fictions (including Phalkari) sheds light on the Punjab of the twentieth century.

Key Words: Ashfaq Ahmad, Urdu Short Stories, Phulkari, Culture, Punjab

ثقافتِ انسانی رہن سہن اور اس سے منسلک امور کا ایک مجموعہ ہے جس کی عمارت جغرافیائی حالات، ماحول اور کسی گروہ یا سماج کے نسل در نسل تجربات اور افکار پر استوار ہوتی ہے۔ ثقافت مجموعی رویوں اور اجتماعی افکار کی پیداوار ہے۔ جسے وقت اور حالات اپنی رو کے ساتھ ساتھ بہاتے رہتے ہیں۔ جغرافیائی اور قدرتی عوامل، طوفان، بارشیں اور سیلاب جیسی آفات بھی اسے شکل دینے اور اس کی بقاو ارتقاء میں کردار ادا کرتے ہیں۔ ہڑپہ اور موہنجوڈور جیسی ثقافتیں بھی اپنے عروج کے بعد ایسی ہی آفات کا نشانہ بنیں۔ ثقافت کسی علاقے یا خطے میں پائے جانے والے انسانی گروہ کے فکری اور مادی مظاہر کا اظہار ہوتی ہے۔ فکری امور داخل اور خارج پر اثر انداز ہو کر زندگی گزارنے اور رشتوں کو نبھانے کا گر سیکھاتے ہیں؛ تہواروں، میلوں ٹھیلوں، اور موت و حیات کے موقعوں کے جملہ امور کی تشکیل کرتے ہیں۔ اسی طرح داخل اور خارج، یعنی فکر اور اس پر مبنی امور چلانے کے جو سانچے کوئی گروہ تشکیل دیتا ہے اُن سانچوں جن کو روایات یا رسوم کہا جاتا ہے اُن کے دفاع اور تحفظ کے لیے آنے والی نسلوں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ گویا سماج کلی اور ایک اجتماعی عمل ہے جس میں فرد ایک سدھائی ہوئی روش پر عمل کرتے ہیں۔ یہ روش داخل اور خارج دونوں سطحوں پر برابر اور ایک ہی لمحے کام کرتی ہے۔ ثقافت پر بہت سے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں جو اسے اپنے ساتھ موڑتے اور توڑتے رہتے ہیں وقت اور حالات، آفات، بلیات اور سوچ بچار کے عوامل یعنی سیاست اور سماجی تحریکیں یہ سب ثقافت کی تشکیل اور ترتیب کا بندوبست کرتے ہیں۔ ثقافت انہی عوامل کی بدولت بدلتی اور نکھرتی رہتی ہے۔ اشفاق احمد کے افسانوں (مشمولہ پھلکاری) میں پائی جانے والی پنجاب کی صورت بیسویں صدی کے پنجاب پر روشنی ڈالتی ہے۔ متذکرہ افسانوی مجموعہ کے افسانوں میں موجود ثقافتی مظاہر و عوامل فرد اور معاشرے کی وہ صورت پیش کرتے ہیں جو اُن کے معاصر رواں رہی ہے۔

کلیدی الفاظ: اشفاق احمد، اردو افسانہ، پھلکاری، پنجاب، ثقافت

سماج رویوں اور افکار کے رنگ برنگ پھولوں کی ایک ایسی مالا ہے جس میں ہر پھول ثقافت کی ڈوری سے پیوست بھی ہے متفرق بھی ہے اور مماثل بھی۔ فرد ایک معاشرے میں رہتے ہوئے اُس معاشرے کی ثقافتی بندشوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رویوں کو ترتیب دیتا ہے۔ اشفاق احمد کے افسانہ جا بجا خاندان کے سربراہ والد کے مختلف رویوں کے ثقافتی رنگوں سے مزین ہے۔ ماں اور باپ کسی خاندان کے لیے اُس گھنے بڑ کے پیڑ کی مانند ہوتے ہیں جو اپنے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

سائے کی وسعت میں چلملاتی دھوپ کو ایک محفوظ چھت کی مانند جذب کر لیتا ہے۔ یہ والد سربراہ بھی ہے اور کفیل بھی جو محنت سے اپنے خاندان کے لیے رزق اکٹھا کرتا ہے اور اُنہیں پالتا ہے اُن کے ناز و نخرے بھی اُٹھاتا ہے اور اپنی شفقت کی چھایا سے تحفظ اور زندگی بسر کرنے کے لیے اعتماد بھی دیتا ہے۔ شفقت اور محبت کا یہ رنگ اشفاق کے کئی افسانوں میں پایا جاتا ہے جن میں مجموعہ ''چھلکاری'' کا افسانہ ''دوپہر ویلے'' اور ''گڈریا'' مجموعہ کا ''اُجلے پھول'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ''دوپہر ویلے'' کا سلیمان دوپہر کی گرمی اور حدتِ شمس میں راحت کے دو پل بتانے جب گھر آتا ہے تو اُس کو راحت اور سکون بچوں سے محبت اور کھیل سے میسر آتا ہے۔

> ''سلیمان نے رسولاں کی گل کا کوئی جواب نہ دیا اور بچوں کو نال لے کر شیر شیر کھیلنے دوسرے کوٹھے وچ چلا گیا۔ جب بھوئیں تے چاروں پنجے جما کے شیر نے ایک دھاڑ ماری تو دو شکاریوں میں بھاچڑ پڑ گئی اور وہ باہر نس گئے۔ شیر نے ہاک مار کر کہا ''آؤ جی آؤ! شکار یو نیڑے تو آؤ! حالی تو شیر نے جھپا مار کے دکھانا ہے۔ ابھی تو نٹھ گئے او'' شکاری دو جی باری اندر آئے تو شبیر کے ہتھ میں وہی موٹی موتار تھی۔ اس نے کس کے شیر کی بکھی میں ماری اور شیر دوھرا تہرا ہو کر لیٹ گیا۔ پہلے چیخا، پھر زور زور سے ہسنے لگا۔ رضیہ نے اگاں ودھ کے شیر کے سر پر زور کا دھپا مارا اور سلیمان کی پگڑی کھل کے اس کے گلے سے لویٹ گئی۔ دونوں خوشی سے تالیاں بجانے اور ٹپوسیاں مارنے لگے۔
> شبیر نے کہا ''حالی مریا نہیں مریا نہیں۔ اک ہور مار رضیہ۔ کس کے مار''
> رضیہ آکھن لگی ''ہنے مرسی شبیر ہنے مرسی۔ پانی پی کے مرسی''
> رسولاں رولا سن کر اندر آئی تو گرج کر بولی ''بے حیاؤ۔ کتیو۔ خبردار جو اس کو ہتھ لایا مشوم کو۔
> میں ہتھ کتی چھوڑ ساں۔ گل وڈھ دے ساں''۔
> بچے دھل گئے تو شیر اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور کڑک کے بولیا ''اج تے پچھے ایناں کوں کش کیا پھیر میرے تے برا اور کوئی نئیں ہووے گا'' [1]

والد کی پدرانہ شخصیت فرد کی اعتماد سازی اور کردار تراشی کا کام کرتی ہے۔ اولاد سے محبت گو ایک آفاقی جذبہ ہے اور اس جذبے کے تحت نا صرف انسان بلکہ حیوان بھی اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں مگر اس پرورش اور محبت و شفقت کے اظہار کے جو طریقے اور اُصول فرد کسی معاشرے میں استعمال کرتا ہے وہ اُصول اور طریقے ثقافت کی دین ہوتے ہیں۔ ثقافت اپنے مسلسل عمل کی وجہ سے یہ اُصول اور طریقے فرد کو اپنے باپ سے اور پھر فرد کے ذریعے اُس کے بچوں تک منتقل ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں ''سلیمان'' جو کہ ایک پنجاب کے خاندان کا سربراہ اور بچوں کا والد ہے جب گھر آتا ہے تو بچوں سے محبت اور شفقت کا جو طریقہ اپناتا ہے یہ پنجاب کے قدیم نصف بیسویں صدی کے پنجاب کی یاد دلاتا ہے جب صنعت اور سرمایہ کے جال نے خاندان کے لیے وبال و ملال پیدا نہیں کیا تھا۔ فرد زمین سے براہ راست منسلک تھا کھیتی باڑی اور زراعت پر معیشت کا کامل انحصار تھا۔ اس افسانے میں ''سلیمان'' کا بھی بیل گاڑی کے ذریعے اشیاء کی نقل و حمل کر کے رزق کمانا جدت سے پاک پنجاب کی غمازی کرنے کے ساتھ ساتھ دیہات کے سادہ اور بے ریا معاشرے کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ ''رسولاں'' جو کہ ''سلیمان'' کی بیوی ہے گو وہ بچوں کی ماں ہے مگر شوہر سے محبت اور قربت اُسے اولاد سے زیادہ عزیز دیکھائی گئی ہے جو کے آج اکسویں صدی کے خاندان میں کم و بیش مفقود نظر آتی ہے۔ یہ تغیراتی امر شعور اور بدلتے علاقائی رجحانوں کا پتا دیتا ہے۔

''سلیمان اور رسولاں'' دونوں اور ان کے علاوہ بچوں کے نام و افعال پنجاب کی سرزمین کے افعال اور نام ہیں، جن کی زبان و لہجہ اور افسانہ میں پائی جانے والی تمام حرکات و سکنات پنجابی ہیں۔ شیر اور شکاری کا کھیل جس سے بچوں کو والد محظوظ کر رہا ہے اس کھیل کا منظر کلی طور پر پنجاب کے خاندان کی یاد دلاتا ہے۔ لباس اور خاص طور پر پگڑی پنجاب کی قدیم اور اہم روایت ہے۔ یہ پگڑی عزت بھی اور اسلاف کے وقار کی گواہ بھی فرد اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر باپ جب بچوں سے محبت پہ آتا ہے تو سب کچھ قربان کرتا جاتا ہے۔ زمانہ حال کے تیز ترین دور میں والدین کا اس طرح اپنے بچوں سے کھیل کود کم

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

نظر آتا ہے۔ وقت اور جانی انجانی مصروفیات نے فرد کو مادے کی دوڑ میں مبتلا کر کے اس سے حبِ اہلِ خانہ کے جذبات چھین لیے ہیں اشفاق احمد کے اس افسانے کا تجزیہ کیا جائے تو بڑی آسانی سے قاری یہ جان سکتا ہے کہ ہم نے شعوری، مادی و ثقافتی سطح پہ کیا کھویا کیا پایا؟

انسانی تاریخ تعصب سے بھرپور ہے۔ تعصب امیری غریبی ہر معاشرے اور کلچر کا حصہ ہے۔ محبتوں، مسرتوں کو نچھاور کرنے والا یہ سربراہ و باپ کبھی کبھی ذات پات، رنگ نسل یا امیری غریبی کے تفرقوں میں پس کر بے بس بھی ہو جاتا ہے۔ اس بے بس باپ کی یہ اولاد پھر اس کی سربراہیت سے نکل کر علاقے کے چودھری، سردار کے سپرد ہو جاتی ہے جو روٹی، کپڑا کے عوض غلامی کے ہار طفلِ پدرِ بے بس کو پہناتا ہے اور یوں اُن کی خوشی اور غم کا وسیلہ بن جاتا ہے جس سے پھر گاؤں کے متعصب اور غریب سماج میں پیدا ہونے والا، ''پھمن کہانی'' کا کردار ''پھمن'' سماج کے لیے ایک کہانی بن کر رہ جاتا ہے۔

> ''ادھی رات جد کمہاراں کا گدھڑ انگیاتد میرا ابا جھگی اندر حقہ پی رئیا تھا۔ میرے ابے کی ایک اکھ تے پانی رستا رہتا تھا اور راضی تھا کہ اس کے سارے کام پورے ہو رئے ہیں۔ اس دن دوپہر کو اس نے اپنی جھوٹی رحمے کسائی کے ہاتھ بیچی تھی اور ساری رقم چوہدری کے قرضے میں اتار دی تھی۔ گدھڑے کی آواز کے ساتھ ہی بدل گیا تو میرے ابے نے ہاک مار کے پچھیا ''کی ہوئیاے؟'' میری نانی نے چیک مار کے اکھیا ''کی ہوئیاے؟'' میری نانی نے چیک مار کے آکھیا ''کاکا ھوئیاے نور بخشا ودھائی ہووئے''۔ میرے ابے نے حقہ پرے کر کے ساریاں انگلیاں کے پٹا کے کدھے پھیرا رمان بال ھوئیں تے تھک کے منجی تے سو گیا۔
>
> میری ماں نے میرا ناں پھمن رکھیا۔ میری نانی نے بستی وچ پتاسے بانٹے۔ چوھڑیاں کے گھر جوڑا اپڑایا۔ پھیر چوہدریاں کے گھر سلام کرانے لے گئی۔ وڈھی چوہدرانی نے مجھے دیکھ کے آکھیا ''نی ریباں تیرا دوھتا تو اپنی ماں سے بھی کالا ہے۔'' میری نانی بولی ''بی بی منڈیاں کا رنگ کس نے دیکھنا ہے۔ دعا کرو لمی عمر والا ہووے۔'' چوہدرانی کیا ''ہاں ہاں بھینا دعا ای دعا اے۔'' پھیر چوہدرانی نے میرے واسطے گوٹے کی ٹوپی ہور پنج روپئے نقد دتے۔ پھیر کہن لگی ''جد پھمن چلن پھرن لگ گیا تد میں تیرے پھمن کو اپنے پوتے واسطے نوکر رکھ لوں گی۔ فکر نہ کریں۔'' 2

''پھمن کہانی'' میں پھمن کی کہانی تمام کی تمام پنجاب کی تہذیبی روایت کی عکاسی کرتی ہے۔ ''پھمن'' کی پیدائش ایک غریب خاندان اور چھوٹے کاشتکار و کسان کے مسائل پر بات چیت کرتی ہے۔ ''پھمن'' کا باپ امیر جاگیر دار کے ستم بھرے قرض کے جال میں پھنسا ہے جو قرض میں غریب کسان کو پھنسا کر اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کسان اتنا غریب ہے کہ اپنے بچے کی پرورش تو درکنار اس کی بیمار پر تک خرچ نہیں کر سکتا۔ پنجاب کے جاگیر دار اور بڑے زمیندار کے شکنجے میں پھنسے مضارعوں اور غرباء کی کہانی بالکل ''پھمن کہانی'' کی مانند ہے جس میں ایک طرف بچے کی پیدائش پر غریب ایک فرد کی آمد پر خوش ہوتا ہے تو دوسری جانب اس بچے کی آنے والی غلامانہ زندگی اور اپنی غربت پر ''پھمن'' کے باپ کی طرح پریشان بھی ہوتا ہے۔ غلام ابنِ غلام اور مسلسل غلامی کی زندگی جاگیر دار طبقے کو مضبوط اور غریب کو غریب تر کرتی جاتی ہے۔ اس جبر و قہر میں ملوث ضعیف و غلیظ دوہرے معیار کا نظام قانون بھی اس کے جاگیر دار کے ساتھ ملوث ہوتا ہے۔ زمیندار و جاگیر دار کی کل کہانی ''پھمن کہانی'' کے والدین جاگیر دار اور چوہدری کے مظالم جھیلنے کے باوجود بھی اپنے بچے کے لیے محبت، شفقت اور التفات کے فرض سے غافل نہیں جو کہ پنجاب کی ثقافت کا آئینہ دار ہے۔

مال و زر کے علاوہ ذات پات کا خیال رکھنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پنجاب میں ذات پات کا زیادہ تر دار و مدار پیشوں پر ہوتا ہے۔ افراد کے پیشے اُن کے لیے پہچان بن جاتے ہیں اور وہی اُن کی ذات کہلاتے ہیں۔ سب سے افضل زمیندار اور جاگیر دار کو سمجھا جاتا ہے اور دیگر لوگوں کی معاشی زندگی کا دار و مدار بھی اسی پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر پیشہ ور بھی سماج کا حصہ ہوتے ہیں۔ مثلاً تیل نکالنے اور بیچنے والا تیلی، جوتی سینے پرونے والا موچی، برتن بنانے والا کمہار، لوہے کے اوزار بنانے والا لوہار اسی طرح مزید کئی لوگ سماج میں اپنی ذات اور پیشے کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی شادی بیاہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ مجموعہ ''پھلکاری'' کا افسانہ ''اپنی ذات'' پنجاب کے اس رنگ کی ایک بہترین مثال ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

'' نبو سر ہلا کر کہتا''چاچا تیرا بچہ ہوں چاہے کچھ کہہ لے پر چاچی کی یاد تیرے دل سے گئی نہیں بھا نویں تیس برس لنگھ گئے۔''

مولو ہولے سے آکھتا۔''یار اپنے اختیار کی بات نہیں بچو۔پر میرا دل اس کافرنی سے بیزار ہے۔ تیری سونہہ میں تو اس دیکھ کر تھوک دیتا ہوں۔''

''تھوکنے سے کام نہیں بنتا'' نبو کہتا۔''تو یوں کر چاچا نکاح کر لے کسی سے اور اگر ''

''کس سے کروں نکاح؟'' مولو ٹٹول کے پوچھتا۔

''کسی سے کر لے چاچا۔ مدی کی بہن مٹیار ہو گئی ہے۔ تیری سونہہ میرے کنے تیرے جتنا ناواں ہو تو اس بانہہ پکڑ کے اپنے گھر لے آؤں۔''

اور مولو کو لہو چلاتے تیل پکاتے اور مونڈھے پر صافی رکھ کے لٹھ کاڈھتے ہوئے مدی کی بہن کے بارے سوچنے لگتا۔ لیکن غیر ذات کی عورت پر اس کا دل نہ جمتا تھا۔ پہلے اس نے تین سودے کر لوہاروں کی لڑکی سے بیاہ کیا تھا پر اب وہ ہور رقم بھر کے دوبارہ وہی غلطی کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کوئی اپنی ذات کی تیلن ہو۔'' 3

شادی بیاہ کے معملات میں پنجاب میں لڑکوں کی عمر پر کوئی خاص سوال نہیں اُٹھتا اور عمومی طور پر مرد کو سدا کا جوان ہی سمجھا جاتا ہے۔ عمومی طور پر دیہاتوں میں لڑکیوں کی شادی کم سنی میں ہی کر دی جاتی ہے۔ والد بیٹی کو اپنے سر کی سب سے بڑی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اس سے جلد از جلد مبرا ہونا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں حالات اور غربت کا مارا باپ کبھی کبھی بے ڈھنگی شادی کے لیے بھی راضی ہو جاتا ہے اور مال و زر کی لالچ میں اس بے ڈھنگے جوڑ میں خا تون کے جذبات خاک و خون ہو جاتے ہیں۔ سماج اور ثقافت کی اس قوت کے سامنے چند ہی خواتین ٹکنے اور لڑنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔

اشفاق احمد نے محبتوں اور دیہات کی لذتوں میں ایسے کڑوے مزاج اور رواج کی بھی نشاندہی اپنے افسانوں میں کی ہے۔ ان کے افسانہ ''سلامتے کی مار'' اور ضابطے کی کاروائی'' چودھری کے ظلم تلے پستے طبقے کی نسلوں کی مسماری اور حقوق کی پامالی کے مناظر کے ساتھ ساتھ پنجاب میں کم سنی اور لڑکی کی رضا کے بغیر شادی کے رواج کی بھی بخوبی نشاندہی، اشفاق احمد نے افسانہ ''سلامتے کی مار'' میں کی ہے۔

''چوہدری جلال نے گامے جھیور کے دروازے پر پہنچ کر کہیا''اوئے میری بات کی سمجھ نئیں تم جنا جنانی کو۔ میں کوئی فارسی بول رئیا ایں یا ہکلا کے گل کری اے میں۔''

گاما بچھی ہوئی منجی پر زور سے ہتھ مار مار کر بولیا''بیٹھ تو سہی چوہدری! باتاں ہو تیاں ہی رہن گیاں ساری عمر۔''

''نئیں میں بیٹھ نئیں سکتا۔ میرے پاس ٹیم نئیں اے پر جو گل میں کری اے تیرے نال اوہدا جواب چاہیے۔ اس وقت فوراً، اسی ویلے''۔

گامے نے کیہا۔''چوہدری جی! کڑی کی ماں کو آ لینے دے۔ اس کے بھائی کا کاکا ڈھیلا مٹھا ہے بچارا۔ دھکا لگ گیا ہے یار ب جانے کوئی جادو ٹونا کر گیا ہے۔ ٹھیک ہونے میں ای نیں آتا۔ بیبو آ گئی تو میں اس سے گل کر کے سلامتے کا ڈولا تیں کو ای دوں گا۔ ایہہ میرا وعدہ اے''۔

''وعدہ تو تیرا چلا آ رہا ہے پچھلے تن مہیناں کا'' چوہدری کڑک کر بولا۔''4

دیہات کی شادی، شہر کی شادی، شادی پرانے رواجوں کی شادی نئے اندازوں کی، سب شادی کے روایتی اور ثقافتی اندازوں کا گلدستہ؛ اشفاق احمد کے افسانوں سے عروسی ثقافت کے پھول چن چن کر سجھایا اور بنایا جا سکتا ہے۔ گاؤں کی شادی اور شادی کا وہ انداز جب جدت پنجاب کے دیہاتوں کے کنارے پر تھی اور لوگ عصر حاضر کے تقاضوں اور بدلتے تفرقوں، رنگوں سے محفوظ تھے، شادی اور بارات کے جدید دور سے قبل سادگی کے اس انداز کا حامل برات کا منظر درج ذیل ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

''سورج ڈوبنے سے پہلے بارات ڈولی لے کر اپنے گاؤں کو چل پڑی اور پستولوں، بندوقوں کے پٹاکے سن کے ایانے اپنے اپنے گھر نٹھ گئے۔ شدین گھوڑی پر اچاہو ہو کے سہرے کی لڑیاں ہٹاتا سجھے کھبے تھوکتا جارہا تھا۔ اور اس کے پیچھے گاؤں کے چودھریوں کی ڈاچیاں اور گھوڑی کی جھانجھروں کی آواز مل کر دور دور تک مار کرتی۔ الغوزے کوکتے، چمٹا بجتا اور پیدل چلنے والوں کے گروہ ''بسم اللہ تیری جگنی'' کی سریں سدیں مارتے چلے آتے۔ شدین کا چاچا تھوڑی دیر بعد دونالی کا منہ آسمان کی طرف کر کے فیر کرتا۔ گھوڑے تپکتے، ہنہناتے اور پھر قدم قدم چلنے لگتے۔ ڈھول تے زور کا ڈنکا پڑتا اور جگنی والے اپنے بول اپر اُٹھا دیتے۔'' 5

نغمہء شادی و مسرت جہاں ایک حقیقت ہے تو وہاں نوحہ مرگ و غم بھی ایک حقیقت ہے جس طرح ثقافت کے عروسی رنگ اشفاق احمد کے افسانوں میں بکھرے پڑے ہیں ویسے ہی نوحہء مرگ و غم کے ثقافتی انداز نظر آتے ہیں۔ مرگ و غم اور شادی و مسرت عالمی و آفاقی مواقع و عناصر ہیں۔ ہر خطے میں بسنے والے افراد کو ان موقعوں کا سامنا ہوتا ہے۔ جہاں پیدائش ہے وہاں مرگ بھی، جہاں ہجر ہے وہاں وصال بھی مگر ان موقعوں کو منانے اور بتانے کے انداز و طریقے منفرد اور مختلف ہوتے ہیں۔ پنجاب کے لوگوں اور ثقافت کا ان موقعوں کو منانے کا انداز منفرد نوعیت سے اشفاق کے افسانوں میں عیاں ہوتا ہے۔ ''پھمن کہانی'' میں مرگ کے غم کا یہ المناک ماتم درج ذیل ہے۔

''جد میں اپنی ماں کے ساتھ راٹھاں کے گھر گیا تو ایک بڑے سے منجے پر ایک بڑا سا آدمی پڑا تھا۔ وہ آدمی نئیں تھا آدمی کی لوتھ تھی۔ شریکاں نے اس کو کہاڑیوں سے کاٹ دیا تھا اور اس کی گردن اتار کر لوتھ کے نیڑے رکھ دی تھی۔ راٹھوں کے گھر والے اس کی گردن اور لوتھ ایک ساتھ اُٹھا کر گھر لے آئے اور دونوں کو رومالی سے باندھ کر منجے پر لٹا دیا۔ بستی کی سوانیاں سینے پر ہاتھ مار مار کر پٹک پیا کر رئیاں تھیں اور باہر لوگ جنازے کے واسطے گھوڑیوں پر آرہے تھے۔ میں اپنی ماں سے پچھیا اماں جنازہ کی ہوتا ہے تو اس نے کھچ کے میرے چپیڑ ماری اور سیاپا کرن والی سوانیوں کے نال مل کے سیاپا کرنے لگ گئی۔'' 6

ثقافت کی قدیم کے پہاڑوں سے چلتی اُن چٹانوں کی زرخیزی، سوچ فکر کی روانی اور حالات و واقعات سے نبرد آزمائی کی نگینوں کو لیے جدید کے میدانوں اور سماج کے سمندروں کی جانب سفر کرتی ہے۔ وہ سماج کے باسیوں کے بیماری و علالت سے نمٹنے کے حل جو آباء نے اپنائے عطا کرتی ہے ان حلوں میں نئے تجربوں کی خوشبو اور مہک شامل کرنے کے مواقع بھی دیتی ہے اور قدیم کے نسخوں پر عمل کی تصدیق بھی۔ بیماری کے انہی ثقافتی حلوں کا ذکر سطور بالا میں درج ہے اور انہی کا ایک منظر اشفاق کے ایک اور افسانے کے حوالے سے پیش خدمت ہے۔

پنجاب کے لوگ بنیادی طور پر سادہ لوح ہیں۔ ان کے لیے مشکلات اور بیماریوں کا حل مختلف قسم کے ٹونوں، جادوں اور دیسی حربوں میں چھپا ہوتا ہے۔ پھمن کہانی کے درج ذیل مناظر پنجاب کی ان توہماتی اور مافوق الفطری معالجی تکنیکوں کا غماز ہیں۔

''کدی کدی میرے اندر بڑی پیڑ اُٹھتی تھی اور میرے سے چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ نانی ہینگ کی پھکّی بنا کر مجھے چٹاتی تھی تو میرے اندر سے ہینگ کی پھوسیاں نکلنے لگتی تھیں۔ لوگ نیڑے نئیں آنے دیتے تھے۔ درے درے کر کے بھگا دیتے تھے۔ سردار گوردیال سنگھ نے میرا ناں پھوسی کا پھمن رکھ دیا تھا۔ جد منڈے مجھے اسی نام سے بلاتے تو میں رونے لگتا۔ وہ مجھے ہور رلاتے تد میں کندھاں کے ساتھ ٹکراں مارنے لگتا۔ میری ماں کو کوئی جا کے بتاتا کہ تیرا پھمن کاندھاں سے ٹکراں مار ریا اے تو وہ روتی ہوئی گھر سے نکلتی اور میری بانہہ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی۔ حکیم نے میری نانی کو آکھیا تیرے دوہتے کا جگر خراب ہے۔ پنج روپے کی شربتی بنے گی اور دو روپئے کی پڑیاں۔ اس نے گھیو تھندا نہیں کھانا۔ چھولیاں کی روٹی تے مولی کی چٹنی کھانی ہے۔ جد اک مہینہ دوا کھان کے بعد وی فیدہ ناں ہویا تد میرے ابے نے سوٹی کے ساتھ مجھے مارا اور میرے سارے پنڈے تے لاساں پڑ گیاں۔ 7

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

پنجاب زیادہ تر میدانی علاقہ ہے کہیں بارش زیادہ تو کہیں کم ہوتی ہے۔ بارش کے ہونے سے خشک علاقوں میں کبھی کبھی قحط اور خشک سالی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ لوگ ایسے وقت پر مذہبی اور ثقافتی دونوں قسم کے ٹوٹکے اپناتے ہیں۔ ان ٹوٹکوں کے حوالے سے ان کا پختہ عقیدہ اور سوچ و شعور کی کیفیات کا منظر درج ذیل ہے۔

''اک واری بستی وچ سوکھا پے گیا تے سارے لوک گریہ زاری کرن لگ گئے۔ مولوی جی نے باہر بندے اکٹھے کر کے ٹبے تے نماز پڑھائی تے مینہ ورھن کی دعا کری۔ لوک منہ سر ویلیٹ کے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ چوہدری جی نوں دوپہر ویلے نیلے ابر وچ اک کالا بدل دسیا۔ پر سوائے اوناں کے کالا بدل ہور کسے کوں نہ ڈٹھیا۔ چوہدری ج آکھیا نماشاں ویلے مینہ ضرور ورسی۔ اللہ کے حکم نال، پر مینہ نہ برسیا۔ ساری دھرتی سکی رہی۔ لوک رون ہار ہو کے اپنے اپنے گھراں مانہہ بیٹھ گئے۔ چھوٹیاں کڑیاں سراں تے بوچھن لے کے بستی وچ جلوس کڈھیا تے باہر جا کے اپنا گڈی پٹولا ساڑ دتا۔ نال ای اچی اچی بین کرن لگ گیاں! جس کڑی کا گڈی پٹولا ساڑا تھا وہ پاولیائی کی دھی تھی اور اس کا بس اک ای گڈی پٹولا تھا۔ اوہ روندی روندی انجو کیر دی گر واپس آئی تے اس کی ماں نے آکھیا''رونہ صغراں میں تیکوں نواں گڈی پٹولا بنادیاں گی پر صغراں کا رونا بند نہ ہویا۔ روتے روتے اس کوں تاپ چڑھ گیا۔ ساری دیہہ کنبن لگ گئی۔

دولو پیکڑ نے منڈیاں کوں اکٹھے کر کے آکھیاں''اگر تاں مینہ برسن کی ات لور ہے پھیر میری گل منوں تے میرے نال چلو۔ اوچیاں رکھاں تے کابراں کے آنڈے لوڑتے ہیں۔ جے کوئی اک آنڈا وی لوڑ لیایا کا م بن جاسی۔'' سارے مل کے کابراں کے آنڈے لوڑن لگ گئے پر کابر بڑی سیانی قوم ہے۔ لکا چھپا کے آنڈے دیتے ہیں کسی پتہ ای نئیں ہوتا کہ اس رکھ تے کابر کا آلنا ہے۔ سانجھاں ویلے ہم کوں شرینہ کے اک رکھ تے کاگ کا آلنا مل گیا۔ پر بالکل اتلی ٹیسی تے۔ ماچھیاں کا منڈا سر تے سر تے منڈا سا بنھ کے اوپر چڑھ گیا۔ کابراں رولا پادیا۔ چار چوفیرے رکھ کوں گھیر لیا نال ای بی ماچھی کو ٹھونگاں مارن لگ گئے۔ اس بڑا حوصلہ کیتا چڑھ دا گیا، چڑھ دا گیا ھور آگے بڑھ کے آلنے کوں ہتھ پالیا۔ کاگاں بی کیاں بوٹیاں توڑن لگ گئے پر بی کوئی پرواہ نہ کیتی۔ دونویں آنڈے اچا کے اپنی چھگی کی جیب مانہ پائے تے اوس رولے چھگڑے، ٹھونگا ٹھانگی وچ اتر آیا۔ ساریاں منڈیاں تریاں مار مار کے بھنگڑے پائے تے بڑیاں کوشیاں کریاں۔ دولو پیکڑ نے آکھیا جھٹ کرو تے ہن ای واپس پنڈ بوڑ چلو باقی کم کل سویرے ہووے گا۔

اگلے دہاڑ دولو پیکڑ نے منڈے اکٹھے کر کے آکھیا''بئی کدھروں اک کانی گدھڑی جو اوس دے متھے وچ ایہہ آنڈے مار کے بھٹاں گے ہور نال ای مینہ ورسن کی دعا کراں گے۔''

گراں وچ تن ای گدھڑیاں ہیگیاں تھیں۔ اک بابے سیلمان کی باگی کمہار کی اور تیجی کالو پنسال نویس کی پر تنوں ای سکھیاں تھیں کانی کوئی بھی نئیں تھی۔ دولو بولیا''فکر نہ کرو۔ میرے کول اک ترکیب ہے۔ پہلے گدھی کانی کر لاں گے پھیر اوہندے مستک وچ آنڈے مار کے بھن لیں گے۔ ایہہ کوئی مشکل نئیں۔ پہلے ایہہ بولو کہ سب تے ودھ بوڈی گدھڑی کس کی ہے؟''

منڈے بولے سب تے بوڈی ہور پرانی گدھی تو باگی کمہار کی ہے۔ لنگڑی وی اہے ہور اتھّی وی۔ باگی کوں مہینہ بھر پتہ ای نئیں چلنا کہ اوندی گدھی کانی ہو گئی اے۔ اک پاسے دیکھ ای نئیں سکتی۔

دولو دو منڈیاں کوں آڈر لایا۔ اک منڈا میں اور دوسرا منڈا مراسیاں کا۔ ہم نس کے اک کمان بنائی اندر اک تندی بنھی۔ نال کانیاں کے ست تیر بنائے۔ آگے ککر کی موٹی سول لگائی۔ سول کنے لال ڈوری پیچی تے حکم مطابق چل پئے۔ باگی کمہار کی گدھی سکے کھیت وچ سکے جھاڑ کھارئی تھی۔ اگلے پچھلے پیر وچ رسی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

بنھی ہوئی سی۔ اگے ای بھکاں تکلیفاں کی ماری تھی رسی نے ہور وی مجبور کر رکھیا تھا۔ اوس سر اچا کے ہماری طرف۔ مراثیاں دے منڈے نے جوڑ کے تیر مار یا۔ پہلا نشانہ ای ٹھکانے لگا۔ گدھی تڑفی چکرائی فیر گوڈاں بھار ہو گئی تھی۔ اتھائیں نس کے ہم نے اپنے بیلیاں کوں خبر انپڑائی کہ گدھڑی کانی ہو چکی اے آنڈے لے کے چلو۔

دولو پیکڑ کی پیروی مانہہ ہم سارے گدھڑی کے سرہانے پہنچ گئے۔ موہنی کے بھرا ہروت نے بڑے حساب نال آنڈا پھڑ کے گدھی کے مستک تے چلایا تے آنڈا پھٹ گیا۔ پھیر دوسرا چلایا اوہ بی پھٹ گیا۔ پھیر دوسرا چلایا اوہ بی پھٹ گیا۔ سارا مادا گدھڑی کے متھے تے وگ کے اس کیاں ناساں ماں آ گیا۔ گدھی گھبرا کے اُٹھا کھڑی۔ اسی نال وچ ایک چھوٹی بدلی گھم پھرئی تھی۔ آنڈے ٹوٹنے نال ای وہ غائب ہو گئی۔ مہینہ بھر ہمارے گراں وچ مینہ کی اک بوند بھی نہ اتری۔8

ایسی ہی واردات کا حامل ایک اور افسانہ ''ننگ ناموس'' ہے جس کی کہانی عورت اور غیرت کے پنجابی فلسفہ کے گرد گھومتی ہے۔ عورت کا کردار مشکوک ہونے پر اُس کا خاوند بڑے سے بڑے آدمی سے بھی ٹکر لے لیتا ہے۔ وہ اپنی ذات پات کی تعصباتی لکیر عبور کر کے اُن ہاتھوں تک پہنچ ہی جاتا ہے جو اس کے گھر تک اور عزت تک پہنچیں۔ دارا جو کہ پیشے کا لوہار ہے اور گاؤں کا ایک کم تر شخص جانا جاتا ہے جو ملک کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا مگر جب اُس کی غیرت پر حرف آتا ہے تو وہ ملک سے بدلا لینے کے لیے پستول تو اُٹھاتا ہے مگر انتقام اُسی کے انداز میں لیتا ہے۔ اس افسانے کا ابتدائی اور آخری منظر دیکھیئے۔

''گاؤں کا ہر آدمی جانتا تھا کہ دارے لوہار کی گھر والی دھاموں کا ملک کے ساتھ یارانہ ہے اور دونوں سارا سارا دن نال نال رہتے ہیں۔ آمنے سامنے بیٹھ کے روٹی کھاتے ہیں اور ایک دوسرے سے گندے گندے مخول کرتے ہیں۔ ملکانی تو خیر بڑے دل گردے والی تھی، سب کچھ دیکھ کر بھی سہتی رہی، پر بیوسے یہ سارا کچھ سہارا نہ گیا۔ اس نے لک لکا کے دونوں کو نشر کرنا شروع کر دیا۔ ملک کی ہر کاروائی ہور بے پروائی شام تے پہلے پہلے ہر چھوٹے بڑے کے دھرے پہنچ جاتی۔ پر ملک کے ڈر سے یہ باتیں دارے لوہار کے کانوں تک نہ پہنچتی کہ اس کی گھر والی جو ملک کے گھر کام کاج کرنے جاتے ہے وہ دراصل کوئی کام نئیں کرتی''9

اختتام کا یہ منظر واضح کرتا ہے کہ جہاں دارا اپنے بدلے کی آگ کو بجھانے کے لیے پستول تو لے آیا مگر اس نے عزت کے بدلے عزت کے روایتی و ثقافتی انجام کے طریقے کو ہی اپنایا۔

''رات چھا رہی تھی۔ بھٹی لال لال کوئلے کوٹھے میں چانن کر رہے تھے اور آج دارا کسی کے کہے بنا دیسی پستول بنا رہا تھا۔ آدھی رات کے وقت جب سب جھڑیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ گئیں اور گھوڑا کارتوس پہ لگنے والی ٹھوکر کھٹ سے باہر نکالنے لگا تو دارا ابدو کا کارتوس پستول میں بھر کر ملک کے ڈیرے پر آ گیا۔ ڈنگروں والے احاطے میں کتی اپنے پنجوں سے پھاٹک کھرچ رہی تھی اور حویلی کے اندر دھاموں ملک کے گھر کا کام کاج کر رہی تھی۔ دارا ڈب میں پستول چھپائے احاطے کے ساتھ کچے کوٹھے کے خصی پرنالے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے پتہ تھا کہ تھوڑی دیر میں دھاموں باہر نکلے گی اور ملک بھی اس کے ساتھ گلی کے موڑ تک جائے گا۔ جب وہ دونوں موٹر کی طرف جا رہے ہوں گے تو گھوڑا ٹھوکر کر دے گا، کارتوس چلے گا اور دونوں.....

کتی پنجوں کے ساتھ پھاٹک کھرچے جاتی تھی اور ہلکی ہلکی آوازیں نکال کر فریاد بھی کرنے لگی تھی۔ پرنالے کے ساتھ لگے لگے دارے کو شام کا واقعہ یاد آ گیا۔ مزارع دھاڑیں مار رہا تھا اور ملک کہہ رہا تھا یہ کتی نہیں میری دھی ہے۔ میری ننگ ناموس ہے۔ دارا نشے میں سوچ رہا تھا پستول چلے گا تو دونوں مر جائیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

گے....دونوں ختم ہو جائیں گے پر ملک کی عزت میں فرق نہ آئے گا۔ملک زندہ بھی ملک تھا اور مر کر بھی ملک رہے گا۔اس نے اپنی ڈب میں پستول کو اچھی طرح لپیٹ کر تہمد میں اڑس لیا اور دیوار کے نال نال چلتا ہوا مسلیوں کے ڈیرے پہنچ گیا۔ سیٹی بجا کر اور پچکار پچکار کر وہ اسے اپنے ساتھ پرنالے کے پاس لے آیا اور پھر ایک دم مسلیوں کے ڈبو کو گودی میں اٹھا کر ملک کے احاطے کے اندر سٹ دیا جہاں بہار پر آئی ہوئی رانی فریادیں کر رہی تھی۔10؎

پنجاب کے دیہاتوں میں مال و دولت کا اندازا جانوروں اور زمینوں کی وسعت سے لگایا جاتا ہے اور اکثر چوریاں اور ٹھگیاں کو محور بھی بھینس، گائے اور زمین ہوتے ہیں۔اشفاق احمد کا افسانہ ''ڈھچک مال'' ثقافت کے اس رخ کا بہترین آئینہ دار ہے اور اس چور چکاری کے جرم میں چودھری اور اہم قانونی اداروں کے کردار کا روایتی رنگ بھی اس افسانے کا خاصہ ہے۔چور کا چوری کا انداز اور اس سے منسلک امور اور کردار ثقافتی ہیں۔یہ افسانہ ثقافت کی اُن قباحتوں کا ذکر کرتا ہے جس کو بدلنے میں زمانہ لگتا ہے۔اس قباحت میں جاگیرداروں کا کردار سفید پوش دیہاتیوں کے استحصال کی روش کو ظاہر کرتا ہے جو کہ تقریباً ہر زراعی ملک و خطے میں پایا جاتا ہے۔افسانے کے چند تعارفی پہلو اسی قبیح صورت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا ذکر سطور بالا میں ہے۔

''گاڑی، پھلا اور بمبو، چک سیداں کے نامی چور تھے۔پر تھے بے ایمان۔کئی بار تینوں مل کر دھاڑا مارتے تو مال میں سے ایک آدھ جانور بیچ کر خود ہی کھا جاتے اور جاگیر دار کو حصہ نہ دیتے۔ جاگیر دار ان کی اس بدماشی سے واقف تو تھا پر زور زیادتی کر کے مال نہ اگلواتا۔جانتا تھا کہ آدمی کام کے ہیں اور اس زمانے میں جب گاؤں گاؤں بستی بستی مدرسے کھل گئے ہیں، ایسے آدمی ھور نہیں مل سکیں گے۔ گاگو کی مونچھیں ابھی پھوٹی ہی تھیں کہ دریا پار جا کر آباد کارون کی ایک ہیرے جیسی ڈاچی اس طرح اڑا لایا تھا جیسے ڈب میں چلم بھر تمبا کو چھپا لایا ہو۔اس نے آتے ہی یہ ڈاچی جاگیر دار کی نذر کی اور حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ جاگیر دار نے بھرے ڈیرے میں گاگو کو شاباش دے کر کہا، ''قسم قرآن کی جیکر تو پانچ جانور اسی طرح اور لے آیا تو گاڑی اور پھلے کے ہاتھوں تیرے سر پر پگڑی بندھواں دوں گا۔'' 11؎

اشفاق احمد کے افسانوں کا تہذیبی رنگ پنجاب کے باسیوں کی زندگی کے شب و روز کا بھی پتا دیتا ہے۔کرداروں کے امور اور شعبے و پیشے پنجاب کی سماجی اور معاشی ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔افسانوں میں رچی بسی زندگیاں پنجاب کی عوام اور خواص کے عمومی امور کے ساتھ ساتھ اُن کے طرزِ بود و باش پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔کہانیوں کے افراد و کردار بچوں کے شغل، عورتوں کی زندگیاں اور بزرگوں کے امور، مردوں کے پیشے سب پر عیاں ہوتے جاتے ہیں۔

عورت سماج اور معاشرے کا اُتنا ہی اہم حصہ ہے جتنا کہ مرد یا کوئی اور زندگی کے رنگ مصائب میں معاون، گھر کی رکھوالی، اولاد کی اُستانی اور شوہر کی فرمانبردار عورت سب رنگوں میں بیٹی کے روپ میں، ماں کے روپ میں، بیوی کے روپ میں اور دادی نانی کے روپ میں سماج کی بہتری زندگی کی بقاو دوام کی کوشش میں مصروف رہتی ہے۔پنجاب میں عورتیں گھر کا چولہا سنبھالنے کے ساتھ ساتھ مرد کے شانہ بشانہ کام بھی کرتی ہیں۔پنجاب کی عورتوں کے ثقافتی او رتہذیبی رنگ اشفاق احمد کے افسانوں کی روشنی میں درج ذیل اقتباسات کی روشنی میں واضح ہیں۔

خواتین گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ پنجاب کے مردوں کے ساتھ کھیتی باڑی اور مال مویشی کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔گھر کے امور سے فارغ ہو کر خاوند کے امور کی سرانجام دہی میں لگ جاتی ہے۔''جنگ نامہ زیتون'' کا یہ منظر دیکھیے۔

''چاچا حنیفا صبح شام ٹم ٹم جوت کر شہر دودھ لے کر جاتا اور باقی تمام دن سویا رہتا۔ بھینسوں کی ٹہل سیوا، بڑی بڑی گاگروں کی دونوں وقت صفائی، برسیم کی بجائی کٹائی اور میر آب سے باری جھگڑے سکیراں ہی کو نپٹانے پڑتے۔'' 12؎

دیگر خطوں کی طرح پنجاب کے شہروں کی زندگی بھی دیہی زندگی کے برعکس تیز و تند ہے۔شہر کی زندگی میں کلچر نے جدید روجوں، ضرورتوں اور ٹیکنالوجی و سہولیات کی فراوانی جیسی خصوصیات کو جذب کر لیا ہے۔یہاں کی زندگی دیہی زندگی کی نسبت مشکل بھی ہے اور آسان بھی لوگ دیر تک جاگنے

کے عادی ہیں اور صبح دیر سے اُٹھنے کے۔ شہری خواتین قیود و حدود سے ماورا و مبرا ہیں اور آزادی کے آفاقی فلسفے جس کے معنی بے لگام و بے نیام ہونا پر گامزن ہیں لیکن ان تمام امور میں صدیوں کی ثقافت اور تہذیب کے رنگ اپنی آب وتاب سے موجود ہے۔

اشفاق احمد کے افسانے ''چل چلی'' میں شہروں کی زندگی کے بس جانے والی ایسی لڑکی کو موضوع بنایا گیا ہے جو شہر کے طور طریقوں پر گامزن ہو کر اپنے رواج اور ثقافت سے منہ موڑ چکی ہے۔اس لڑکی کی مصروفیات پنجاب کی نئی نسل میں مغرب کے اور مشرق کے تہذیبی ٹکراؤ کے ساتھ ساتھ اس کے نسوانی زندگی پر اثرات اور شہری لڑکیوں کی زندگی پر روشنی ڈالتی ہیں۔

'' حالی پرسوں شام کی وارتا ہے۔نویں سال کی رات ہم نے ساری رات اک کوٹھی وچ گزاری۔ہائی فائی میوزک لا کے بھنگڑے نچے۔منڈیاں نال کڑیاں ڈالیں پھیریاں بجھاکے اک دوجے نوں لبھیاتے اک دوجے نال کشتیاں کیتیاں۔کشتیاں کردے کردے سارے ای تھک ٹوٹ کے اک دوجے کو سرہانے بناکے کھنڈ گئے۔''13

لوک سطح پر گیت سنگیت کے علاوہ تماشوں اور کرتبوں اور بازیوں کا رواج پنجاب اور برصغیر میں جگہ جگہ پایا جاتا ہے۔ان تماشوں میں ماہرین جانوروں اور سدھائے ہوئے کرتبوں کی بدولت جو کچھ کماتے ہیں اُسی سے زندگی کی گزر بسر کرتے ہیں۔یہ جانور ان کے لیے ایک اثاثہ اور بڑی جائیداد کا سا مقام رکھتے ہیں۔''کالا بدل'' افسانہ میں اسی کہانی اور اس پیشہ سے منسلک پنجاب کے طبقے کو موضوع بنایا گیا ہے۔کالا بدل نام اور کام پنجابی انداز اور رواج میں اس طبقے اور اس سے جڑی لوک دانش وشعور کی نمائندگی کرتا ہے۔مندرجہ ذیل پیرا دیکھئے:

''موجو اور ٹھمکی کے نال جو کالا رچھ تھا وہ ضرور ویسا ہی تھا جیسے ساری دنیا کے رچھ ہوتے ہیں۔لمبے لمبے بال،بھارا بھارا وجود،پہلے سجے پاسے کے قدم ایک ساتھ چلتے ہیں،پھر کھبے پاسے کے۔سینے کے اوپر دھولے بالوں کنٹھا۔مستک پر چھوٹے بال گردن پر گچھے دار پٹے اور پیٹ کے نیچے چھوٹی چھوٹی لوئیں۔تھوتھنی پر چمڑے کی کنی۔ناک میں پیتل کا کڑا۔چھوٹے پیر۔گندے مڑے نونہہ۔مہاجنی چوتڑ اور منہ میں دانے کا ہر وقتی تھوک۔رسی موجو کے ہتھ ہوتی پر اشارہ وہ ٹھمکی کا دیکھتا۔جدھر سین مارتی ادھر کا ہو جاتا اور پھر ادھر کا ہی ہو رہتا۔

گوٹھ کنارے،پرانی تھیہ کے نیڑے ان کی جھگی تھی۔کچا اسارا اوپر کانیاں کی چھت اندر پانڈو کا پوچا باہر گیرو کے پھل بوٹے۔یہ ساری ڈیکوریشن ٹھمکی کی تھی اور موجو پیر دھوئے بغیر اندر نہیں جاسکتا تھا۔ تینوں ایک ساتھ گھر میں رہتے تھے اور تینوں ہی عشق کے مارے ہوئے تھے۔''14

کالے بدل اور موجو کے کرتب اور تماشے کا یہ منظر قابل دید ہے جو پنجاب کے تماشوں اور لطف اندوزی کے سامانوں کا ذکر کرتا ہے۔

''موجو ڈگڈگی بجا کر بولتا ''لوؤجی نظارا کرو۔ٹھمکی تے رچھ،نال رچھ تے سوانی۔واہ جی واہ۔لے اوئے گوڈالا کے چالے ٹھمکی کوں تے مار بھوئیں تے۔پرواناں کریں۔غم ناں کھائیں۔گھیو کی چوریاں کھان والیاں ان وکھادے اپنی سور متائی،سٹ دے سوانی کو جمین تے۔چڑھ جا اس کی لوتھ پر۔واہ جی واہ۔''

ٹھمکی پھولی سانس کے سنگ اس کو دھکیلتی اور نال نعرے مارنے لگتی۔

''ارادیکھ لوں گی تیری بہادری خصی پر نالے باباسالے۔آج یا پھر تو نہیں یا میں نئیں تیرا تیل لکاڑ کے رکھ دوں گی۔چربی گلادوں گی ساری۔موم بتیاں بنادئیوں تیرے تھندے کی''۔

دونوں میں خوب زور سارنی۔جپھا جپھی ہوتی۔کدی ایک دھکیلتا کدی دوجا۔موجو ھاک مار کے کہتا ''بس اوئے لگ گیا سیک ٹھمکی کا۔گل گیا پنڈا۔نکل گئی پھوک۔اوئے گھنی بھاری اے سوانی۔اجائی نہیں جاندی کنڈلاں والیا؟خفتیا۔ماں کیا رانجھیا'' پھر ڈگڈگی اور زور سے بجتی اور موجو ہوکتا ''کوئی پاسہ ناں چھڈیں ٹھمکی۔سالے تت ورت کے دیکھیں۔سارا زور لگادئیں۔تیں کوں چوڑا بنواؤں دیوں۔نتھ گھڑوا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

دیوں۔ کالے بدل نوں ڈھادے۔ ساری دنیانوں دیکھادے۔۔۔ کیوں جی مہروانوں قدر دانوں! سب
کش دستا ہے کہ نئیں دستا؟''
''دستا ہے دستا ہے'' مجمع شور مچاتا اور کھیل جاری رہتا۔''15

ان کھیل تماشوں کا اور ان کے انداز کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ لطف اندوزی اور فراغت کے مشاغل کیا تھے ان مشاغل میں آج کے دور کی کمرشلزم نہیں تھی جو کہ مغرب کے اس دور کے اور آج کے دور میں یہاں کی سرکسوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ تمام تر اشیاء باہمی رضامندی اور لین دین کے ایک طمع سے پاک نظام سے میسر تھیں، ریچھ یا بندر کا تماشا دیکھنے کی کوئی ٹکٹ نہ تھی اور نہ ہی لازم تھا کہ داد پیسوں میں دی جائے، حسب توفیق زر و اشیاء اور تعریف تالیاں ایک فن کار کا معاوضہ تھا جو کہ ایک کے آج کے دور کا حصہ نہیں۔

کسی خطے اور سماج کے فنونِ لطیفہ میں ادب سب سے اہم مقام رکھتا ہے۔ ادب اور ثقافت کا گہرا رشتہ ہے۔ جس طرح DNA کے سٹرکچر اور ترکیب کی بدولت نہ چاہتے ہوئے بھی ایک نسل کی خصوصیات دوسری نسل میں منتقل ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح ثقافت بھی ادب پر نادانستہ اور لاشعوری طور پر چھاپ ضرور ڈالتی ہے۔ فن کار یا ادیب جس معاشرے میں آنکھ کھولتا ہے وہی معاشرہ اس کے خالی ذہن میں آباد ہو جاتا ہے۔ معاشرتی امور، ساخت اور پیٹرن و سکیم اپنے بار بار دوہرائے جانے اور فن کار یا ادیب کی نظر کا بار بار حصہ بننے کی وجہ سے اس کے ذہن کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ادیب یا فن کار اظہار کے لیے جب سانچوں یا طریقوں کا انتخاب کرتا ہے تو وہ انہی طریقوں اور سانچوں کا انتخاب کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو ثقافت اور ماحول نے اُس میں سموئے ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام عمل لاشعوری طور پر خودکاری انداز سے ہوتا ہے جس طرح موٹر سائیکل یا گاڑی چلاتے ہوئے آپ اکثر اپنے خیالوں میں گم ہو جانے پر بھی کلچ اور گیئر کا استعمال درست اور صحیح جانب کرتے جاتے ہیں اور آپ کے خیالات میں بھی کوئی خلل نہیں آتا یہ عمل بار بار دوہرائے ہوئے عمل کی بدولت آپ کے ذہن میں نقش ہو چکا ہوتا ہے اسی طرح ثقافت نسلوں سے بار بار اپنائے ہوئے امور کا مرکب ہونے کی وجہ سے فرد کے شعور اور شعور کا حصہ بن جاتی ہے۔

ادب جن راستوں اور دروازوں سے قلب اور فکر کے ایوانوں میں جگہ پاتا ہے اور جن دریچوں سے جذبات اور اظہار کے سانچوں میں ڈھلتا ہے وہ سب کے سب ثقافت کے میدانوں میں ہی کھلتے ہیں۔ پیدائش کے وقت انسان دُنیا کے اور اس کے رواجوں سے بے خبر و بے نیاز خالی الذہن ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں جو ماحول اور مناظر درج ہوتے جاتے ہیں وہ اس کے جذبات اور افکار کی شبیہ اور صورت تراشی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب یہ بچہ پل بڑھ کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ پیدا ہونے والے جذبات اور کیفیات کا اظہار کرے تو اس کے سامنے اظہار اور ترسیل کے وہی سانچے اور نمونے ہوتے ہیں جو معاشرے اور ثقافت میں مروج ہوں۔ ان سانچوں اور طریقوں کا بار بار استعمال اظہار میں نکھار تو پیدا کرتا ہے اور کر سکتا ہے مگر کلچر کے دائروں سے ماوریت اس کے بس کی بات نہیں۔ فرد اس دوہرائی کے عمل میں اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کے لاشعوری اور نادانستہ پر اظہار اور ترسیل کی ثقافتی سکیم اور طرز شامل ہوتی رہتی ہے۔ ادیب یا فن کار جذبات اور کیفیات کے اظہار کے لیے جب طرز ترسیل اپناتا ہے تو وہ انہی انتخابات میں سے کسی ایک کو منتخب کرتا ہے جو اس کے سامنے سماج اور ثقافت نے رکھے ہوں۔

اشفاق احمد نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی تو وہ پنجاب کا دیہاتی ماحول تھا۔ اسی ثقافت نے اشفاق احمد کی پرورش کی اور اسی نے انہیں اظہار کے سانچے دیئے۔ اشفاق احمد کے افسانوں میں پنجاب کی ثقافت اور اس کے سماجی شعوری ارتقاء کی منظر کشی سے قبل ضروری ہو گا کہ پنجاب کی ثقافتی تشکیل اور اس کے اجزائے ترکیبی کو سمجھ لیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس ثقافت کے پس منظر میں پائے جانے والے محرکات اور افکار کی نشاندہی سے آگہی حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اشفاق احمد کے افسانوں میں پوشیدہ اُس سکیم کو جانا جا سکے جو اُن کے افسانوں کو پنجاب کے ماحول اور ثقافت سے مماثل کرتی ہے۔

پنجاب برصغیر کا زرخیز اور خوبصورت میدانی خطہ ہے۔ یہ خطہ پھل پھول کی فروانی اور میٹھے پانی کے ذخائر کی دستیابی کی بدولت خطے میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے دریا، اجناس، پیداوار، باغات اور ارضی عناصر ثقافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ پنجاب کے ثقافتی اور سماجی نظام پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس کی صورت میں جہاں مقامی باشندوں نے حصہ لیا وہاں باہر سے آنے والے جنگجوؤں اور ان کے ساتھ آنے والے خاندانوں نے بھی اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

حواشی

1. اشفاق احمد، دو پہر و یلے مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:98
2. اشفاق احمد، پھمن کہانی مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:۱۰۱
3. اشفاق احمد، اپنی ذات مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:۴۴
4. اشفاق احمد، سلامتے کی مار مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:31
5. اشفاق احمد، رشوت مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:29
6. اشفاق احمد، پھمن کہانی مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:102
7. اشفاق احمد، اشفاق احمد، پھمن کہانی مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:104
8. اشفاق احمد، پھمن کہانی مشمولہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:109
9. اشفاق احمد، ننگ ناموس، پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:83
10. ایضاً، ص:85
11. اشفاق احمد، ڈھچک مال مشمولہ مجموعہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:۵۵
12. اشفاق احمد، اشفاق احمد، جنگ نامہ زیتون، مشمولہ مجموعہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:48
13. اشفاق احمد، چل چلی مشمولہ مجموعہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:41
14. اشفاق احمد، کالا بدل، مشمولہ مجموعہ پھلکاری (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991) ص:25
15. ایضاً، ص:27